سب آوازیں میری ہیں

احمد فراز

باذوق لوگوں کے لیے

ہماری کتابیں

خوبصورت کتابیں

تزئین و اہتمام اشاعت

خالد شریف

ضابطہ

ناشر : خالد شریف

تعداد : ایک ہزار

اشاعت : فروری ۸۷ء

مطبع : صوفی اکرام پرنٹرز۔ لاہور

ادارہ : ماورا پبلشرز۔ بہاولپور روڈ۔ لاہور

قیمت : چالیس روپے

عنوانات

حرفِ سادہ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب فیض صاحب علامہ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم اُردو ترجمہ کر رہے تھے۔ فیض صاحب سے بے پناہ عقیدت کے باوجود کسی حد تک میں بے تکلف بھی تھا ایک روز میں نے ان سے عرض کیا کہ "آپ ان تراجم میں اپنا وقت کیوں صرف کر رہے ہیں۔ یہ کام تو دوسرے لوگ بھی انجام دے سکتے ہیں آپ کے بے شمار مداح اور عقیدت مند آپ کی تازہ تخلیقات کے لئے ترستے رہتے ہیں عالم یہ ہے کہ اگر کوئی کہیں سے آپ کا نیا شعر یا مصرع سُن لے تو بطور سوغات دوسرے شہروں اور دوستوں تک پہنچانے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔" فیض صاحب نے ہمیشہ کی طرح مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کیا تم پر کبھی شعر گوئی میں BARREN PERIOD نہیں گذرا۔ بانجھ پن کا ایسا وقت جو بعض اوقات مہینوں پر پھیل جاتا ہے۔" میں نے عرض کیا "کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ طویل عرصہ تک مصرع بھی نہیں کہا۔" بولے "تو پھر اس زمانے میں کچھ نہ کچھ تو کرتے رہنا چاہیے جنگ ہو نہ ہو سپاہی کو اپنے ہتھیار صیقل رکھنے چاہئیں۔"

"سب میری آوازیں ہیں" کے تراجم محض تخلیقی ہتھیاروں کو صیقل رکھنے کی غرض سے ہی نہیں کئے گئے بلکہ کچھ اور محرکات بھی تھے ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں خود انہی حالات سے گذر رہا ہوں جن سے بیشتر افریقی جلاوطن شاعر دوچار ہیں اور اپنی سرزمین سے دور اپنے لوگوں کی انقلابی جدوجہد میں قلمی حوالے سے شریک ہیں دوسرا سبب یہ کہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے تاریخی اور سیاسی کوائف مختلف ہوتے ہوئے بھی کئی طرح کی مماثلت رکھتے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں سفید فام اقلیت نے جس ظلم اور ڈھٹائی

سے مقامی سیاہ فام اکثریت کو انسانی تو قیر اور حقوق سے محروم کر رکھا ہے اسی طرح پاکستان میں فوجی آمریت نے بھی اپنے ظالمانہ اور غاصبانہ رویہ سے اپنے ہی لوگوں کو محکوم بنا رکھا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں بندوق کی لبلبی پر گوری انگلیوں کی جنبش حریت پرستوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے اور پاکستان میں جمہوریت پسند دانشوروں سیاسی کارکنوں صحافیوں اور طلبا کا لہو زمین کا رزق بن رہا ہے۔ غالباً یہی بنیادی وجہ ہے کہ افریقی شاعری موضوعات کی حیرت انگیز مماثلت کے سبب پاکستان کے حالات کی بھی عکاس معلوم ہوتی ہے۔

ایک مقصد یہ بھی پیشِ نظر تھا کہ جنوبی افریقہ کی نثری اور نظمی شاعری کو اردو طبقے سے بالعموم اور پاکستان کے ادیبوں شاعروں سے بالخصوص روشناس کرایا جائے۔ ساتھ ہی یہ احساس دلانا بھی مقصود ہے کہ جب خلقِ خدا ظلم اور استحصال کے خلاف نبرد آزما ہو اور لوگ اپنے حقوق کی بازیابی کیلئے جانیں تک قربان کر رہے ہوں تو لکھنے والوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس تناظر میں اُن کا کیا کردار ہونا چاہیے؟

میں اپنی مختصر پیش لفظ کو افریقی ادیب کے اس جملہ پر ختم کرتا ہوں "صرف قیدی پرندہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیوں نغمہ سرا ہے۔"

احمد فراز

لندن

شاعر کا پرچم

وہ کہتے ہیں
با آبرو شاعری کرو
جن سے اُن کی سفاکیاں خوشنما لگیں
مکروہ منظر تصویر دکھائی دیں
غلیظ آنتیں روشنی کی لکیریں نظر آئیں
خون کو شراب
اور موت کو نیند سے تعبیر کرو
وہ شاعر سے پھولوں کے ہار مانگتے ہیں

تاکہ ان کی گولیوں سے چھلنی ہونے والوں کی
قبریں سجائی جا سکیں
وہ لفظوں کے معطر گلدستے چاہتے ہیں
تاکہ تعفن پر خوشبو کی چادر ڈال دی جائے
وہ چاہتے ہیں
کہ لوگوں کے احتجاج کو
شعر کے منقش گنبدوں میں دفنا دیا جائے
اُن کی خواہش ہے
کہ انسانوں کی دردناک چیخوں پر
موسیقی کی تانیں حاوی ہو جائیں
اُونچے سروں والے ساز بجائیں
جن میں
بے دردی سے قتل ہونے والوں کی کراہیں
دب جائیں
وہ چاہتے ہیں

کہ شاعر پنجرے میں بند ہو کر خوش نوائی کرے
عبادت گاہوں (کلیساؤں) میں گانے والوں کے
طائفہ کا خواجہ سرا بن جائے

اپنے غیض و غصے کو
چاندی کی چھنکتی ہوئی زنجیروں سے اسیر کر دے
ہم یہ سب نا قبول کرتے ہیں
ہمیں بد صورت ہونا گوارا
مگر
ہم آزادی سے قبروں کو کھود کر
لاشیں دکھائیں گے
ہم سڑاند سے (خوشبوؤں کے) غلاف
نوچ پھینکیں گے
ہم اپنے شہیدوں کی انتڑیوں کو
اپنے پرچموں میں لپیٹیں گے

اگر ہم نے پھریرے ہی اٹھانے ہیں
تو پھر ان کا رنگ عنابی ہونا چاہیئے

David Evans
If Poets Must Have Flags

ہماری ماؤں کو فراموش مت کرو

ہماری ماؤں کو فراموش مت کرو
جو ایک متعین صبر کے ساتھ
ہمارا انتظار کر رہی ہیں
ہمارے اباؤں کو مت بھولو
جو جیلوں میں سڑ رہے ہیں
اور کانوں میں گھل رہے ہیں
ہمارے بچوں کو اپنی یادوں سے دور نہ رکھو
جن کے بدن

گلیوں میں دم توڑ رہے ہیں

اب انتقام کا ہاتھ بلند ہو چکا ہے

اور ہم

مزید یقین کے ساتھ

اعادہ کرتے ہیں

کہ افریقہ آزاد ہو گا

ہم اسے آزاد کرائیں گے

Ilva Mackay

Forget Not Our Mothers

جلاوطنی

مجھے جلاوطن کہیں
خانہ بدوش سمجھیں
یا شوریدہ سر شاعر مانیں
(جو بھی کہیں)
میں ایک خاموش طبع اور مرنجاں مرنج انسان ہوں
اپنی غیر مرئی رفتار سے گامزن
اپنے منصوبوں میں مگن
غلامی کی حد تک خوش خلق

لیکن پھر بھی
کبھی کبھی ماتمی نوحے
میرے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں
میری خاموش آنکھوں کے پیچھے
میرے سر میں
سائرن اور انسانی چیخوں کی آوازیں
گونجنے لگتی ہیں

Dennis Brutus
I Am The Exile

آوازیں

پھر آوازیں آنی شروع ہو گئیں
رات گئے سائرن کی گونج
دروازوں پر ٹھکوں کی دھمک
اور رگوں میں درد کی گوگ
پھر آوازیں آنے لگیں
بے الفاظ
لامتناہی نوحہ
(جسے کوئی قیدی ہی سمجھ سکتا ہے)

مدھم سے پنچم کی سمت
دھیرے دھیرے بلند ہوتا جاتا ہے
میرے ہمزاد
ضدی بارشش کی طرح
اپنے دُکھ آہوں کی صورت میں آگلنے لگتے ہیں
سائرن کی گونج
ہڈیوں کے ٹوٹنے کی چٹخار
اور فوجی بوٹوں کی چاپ
پھر وہی آوازیں آنے لگیں

Dannis Brutus
The Sound Begin Again

شاعر اور گوریلا

ایمسٹرڈیم میں تارک الوطن حرّیت پسند نہایت محتاط اور خفیہ طور پر اکھٹے ہوتے ہیں۔ ایک گوریلا ایک شاعر ساتھی کا ہاتھ تپاک سے اپنے ہاتھ میں لیتا ہے مفارقت زدہ لوگ جنہیں سیاسی حالات نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ ایک اجنبی ملک میں دوبارہ یکجا ہوتے ہیں۔

پہلی آواز :۔ سوال یہ ہے کہ لوگ جو اپنی سرزمین کی آزادی کے لئے بندوق اٹھاتے ہیں اور وہ جو پھولوں، محبت یا جنگ ہی سے متعلق نظمیں لکھتے ہیں کیا وہ ایک ہی

خمیر رکھتے ہیں۔ یا دہ ساخت پرداخت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

دوسری آواز:۔ شاعر کا کام خواہ وہ جنگ کی حالت ہی کیوں نہ ہو قلمی کاوشوں تک محدود ہوتا ہے۔ ایسی جنگ جو شاعر کو نغمہ سازی پر نہ اکسائے ایک بے مقصد محاذ آرائی کے مترادف ہے۔

تیسری آواز:۔

تمام انسان شاعر ہوتے ہیں
تمام شاعر انسان ہوتے ہیں

اُدھر دور کہیں خون آلودہ جھاڑی میں دو حریت پرست زخموں سے چُور زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہیں ان میں سے ایک جب بمشکل سانس لیتا ہے تو درد کی تپش اس کے وجود کو یُوں جھلسا دیتی ہے جیسے نیپام اردگرد کے علاقے میں آگ بکھیر دیتا ہے۔ ایک ایسی آگ جسے فنا ہی بُجھا سکتی ہے۔ اِسی لئے وہ مرنا چاہتا ہے جتنی بھی جلدی ہو سکے لیکن مشکل یہ ہے

کہ اُسے اس جانکنی کے عذاب سے نہایت سست روی اور

بے توقیری کے ساتھ گزرنا پڑے گا اس کے نوعمر ساتھی کو اپنے

دوست کی جانکنی نہایت بے بسی سے دیکھنا پڑے گی۔

سنو خون اگلتے ہوئے منہ کی آواز

ساتھی! مجھے ختم کردو۔ مجھے فوراً ختم کردو

(ادھر لندن کے ایک بلند بام فلیٹ میں ایک شاعر نے

آخری الفاظ لکھ کر اپنی نظم کو تکمیل دے دی۔)

پہلی آواز:۔ یہ نہ بھولو کہ ہم جنگ لڑ رہے ہیں

دوسری آواز:۔ مگر ہم جنگ کیوں لڑ رہے ہیں یہ بھی

نہیں بھولنا چاہیئے۔

تیسری آواز:۔ اور یہ بھی نہ بھولو

ایک مرتبہ پھر دم توڑتا ہوا حریت پرست اپنے ساتھی سے

رحم کی سزا کا تقاضا کرتا ہے۔

مجھے ختم کردو۔ ساتھی مجھے دشمنوں کے لئے زندہ مت

چھوڑ دو۔

پہلی آواز :۔ ہم ایمسٹرڈیم لندن اور نیویارک میں کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے قلم یہاں محض سیاہی رو رہے ہیں جبکہ دوسروں کے جسم خون اُگل رہے ہیں۔ وہ زندگیاں قربان کر رہے ہیں اور ہم گفتگوؤں میں مصروف ہیں۔

یہاں محض الفاظ کی بوندا باندی
اور وہاں گولیوں کی مسلسل بارش

دوسری آواز :۔ لفظ کی برکتوں اور شعر کی تہذیب سے محروم جدوجہد سفاکیت کے مترادف ہوتی ہے۔

پہلی آواز :۔ جدوجہد کی پُشت پناہی بغیر لفاظی محض ہوا ہے۔ اپنی مٹی اور اپنے لوگوں کی طرف سے جو قرض واجب ہے شاعر کو اس کی آگہی ہونی چاہیئے۔ ورنہ اس کا سب شور و غوغا گھومتے ہوئے پنکھے کی بے معنی آواز کے سوا کچھ بھی نہیں۔

دوسری آواز :۔ شاعر اپنے فرض سے غافل نہیں وہ رفتہ اور آئندہ سے آگاہ ہے لمحۂ موجود کا مطیع اور ساعتِ گزشتہ

کا غلام ہوئے بغیر اپنی نغمہ گری جاری رکھتا ہے۔ اس گوریلا کی مصداق جو اپنے دشمن پر بندوق تان تو سکتا ہے لیکن اُسے ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس کی انگلی لبلبی پر ہے مگر لبلبی دبا نہیں سکتا۔ وہ اپنے حریف کو پہچان لیتا ہے جس کی بہن سے اس نے لڑکپن میں شدت سے محبت کی تھی ان موسموں میں جب خوبصورت اور لمبی دُم والے پرندے اپنی چونچوں کو پانیوں میں ڈبوتے ہیں۔

پہلی آواز:۔ ایسی شاعری کا کیا فائدہ

ایسے رحم کی کیا ضرورت

مختصر یہ کہ اصلی زبان بندوق اور پیغام فنا ہے

باقی سب بکواس بیل کا مُوت

تیسری آواز:۔ شاعر اور لفظ

سپاہی اور بندوق

جدوجہد میں دونوں کو ہمقدم اور دوش بدوش ہونے کی ضرورت ہے

ائر کنڈیشنڈ کانفرنس ہال سے باہر ایمسٹرڈیم افریقہ کی

طرح تپ رہا ہے۔ یہاں لوگ سورج مکھی کے پھولوں کی طرح جھلس رہے ہیں۔ لیڈن جاتے ہوئے دونوں اطراف پر لالے کے زنگار رنگ پھول قطار اندر قطار اپنی خوشبوؤں سے مست و رقصاں وین گاف کے نام پر اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے ہیں۔

(یہاں کسی بندوق چلنے کی آواز فضا میں نہیں تھرتھراتی)

ادھر دور خون سے لت پت کسی جھاڑی میں ایک زخمی حریت پرست دم توڑ چکا ہے۔ اس کی نزع اور فتح دونوں کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن آنے والے برسوں میں اس کے زندہ بھائیوں کے انتظار میں کون ہے؟

پہلی آواز:- جنگ میں شاعر کو اپنے جیالوں کی جانثاری کے ترانے گانے چاہئیں۔ بس گیت کی یہی مقصدیت ہونی چاہیئے۔

دوسری آواز:- نہیں صرف ایسے گیت جو جنگ کا مقصد اور جواز بتائیں اس کا موضوع "یہ جنگ کس کیلئے ہے"

طرح تپ رہا ہے۔ یہاں لوگ سورج مکھی کے پھولوں کی طرح
جھلس رہے ہیں۔ لیڈن جاتے ہوئے دونوں اطراف پر
لالے کے رنگارنگ پھول قطار اندر قطار اپنی
خوشبوؤں سے مست ورقصاں وین گاف کے نام پر
اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے ہیں۔
(یہاں کسی بندوق چلنے کی آواز فضا میں نہیں تھرتھراتی)
ادھر دور خون سے لت پت کسی جھاڑی میں ایک زخمی
حریت پرست دم توڑ چکا ہے۔ اس کی نزع اور فتح دونوں کا
خاتمہ ہو چکا ہے لیکن آنے والے برسوں میں اس کے زندہ
بھائیوں کے انتظار میں کون ہے؟

پہلی آواز:۔ جنگ میں شاعر کو اپنے جیالوں کی
جانثاری کے ترانے گانے چاہئیں۔ بس گیت کی یہی مقصدیت
ہونی چاہیئے۔

دوسری آواز:۔ نہیں صرف ایسے گیت جو جنگ کا
مقصد اور جواز بتائیں اس کا موضوع "یہ جنگ کس کیلئے ہے"

ہونا چاہیے۔

تیسری آواز: جب ماؤ اور چے نے بندوق اٹھائی

تب شاعر اور سپاہی نے لفظ اور گولی کو ہمزبان کر دیا۔

ایمسٹرڈیم[1] میں سیاسی تارکینِ وطن جب ایک دوسرے

سے جدا ہوتے ہیں تو گوریلا شاعر کا ہاتھ تپاک سے تھام لیتا ہے:

افریقہ انتظار میں ہے

گولی اور حرف کے یکجان ہونے کا

گولی اور حرف ہمزبان ہونے کا

افریقہ انتظار میں ہے

[1] ہالینڈ کا ایک خوبصورت مقام جو گل لالہ کی افراط کے لئے مشہور ہے

آج جیل خانے میں

آج جیل خانے میں
[illegible]
ہم قیدیوں کو ایک گیت گانے کی اجازت ہے

افریقہ سلامت رہے
صرف ایک گیت
کم آہنگی اور متانت کے ساتھ
جذبوں پر ضبط کے بند باندھ لو

احساسات کی لو نیچے رکھے رہو

قیدی توانا مگر استوار آوازوں میں گاتے ہیں

افریقہ تیری خیر ہو

آنکھوں کے پیچھے

دل کی گہرائیوں سے امڈے

نکیلے آنسو

بے ٹھکانہ پرندے کی وحشت کی طرح

کوئی نام کوئی مقام ڈھونڈتے ہیں

جن پر قیام کر سکیں

ان کارناموں کا ذکر

جو وہ انجام دے چکے

ان مرحلوں کا تذکرہ

جن سے گزر رہے ہیں

اُن مرادوں کی فہرست

جن کے حصول کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے

آج جیل خانے میں

ہمیں ایک گیت گانے کی اجازت ہے ،

Dennis Brutus

Today in Prison

نوحہ

(ایک افریقی حریت پرست دھنما ڈیوما نوکادی کی موت پر)

میت کی رسومات کے دوران
دیوانگی کے عالم میں
اگر ہم نے یہ محسوس کیا
کہ تیری موت نے ہمیں تنہا کر دیا ہے
تو ہم یہ معمول کا ماتمی گیت
"اے چمکتے سورج
اے نیلے آسمان
ہماری نظروں سے اوجھل ہو جا"

ضرور گائیں
لیکن اے ڈیوما
ہمارے مشکل دنوں کے شہید بیٹے
جس امن اور مساوات کے حصول کے لئے
تو زندہ رہا
اگر وہ ہمیشگی اور تسلسل کے ساتھ
ہمارے وجود میں موجود ہے
تو ہم تیری موت پر کیسے آنسو بہا سکتے ہیں
تیرا نام جس کا تعارف ہمارے خون کے چھینٹوں سے
ہو چکا ہے
وہ تیرے پیکر سے بہت پہلے
ظہور میں آچکا تھا
تاکہ ہمیں بتائے
کہ نسل پرست زانیوں
اور سونے کے دانتوں والے

غاصبوں کی بدبودار اور دھنسی ہوئی قبروں پر
قدم رکھتی ہوئی
مزدور کی صبح طلوع ہو رہی ہے
ڈیوما
میری مٹی کے لال
تیرا جسم ہمیں چھوڑ گیا ہے
اور بہت جلد چھوڑ گیا ہے
بے شک
یہ ایک سرحد ہے
مگر تو نے تو ہمیں بتایا تھا
کہ سرحدیں اور سمندر
انسانوں کو جسمانی طور جدا کرتے ہیں
ورنہ ایسی جدائی
کسی دکھ کے بغیر وجود میں نہیں آتی
چی نے کہا

کہ بعض لوگ مر کر

فنا ہونے کی بجائے

دوسروں میں منتقل ہو کر

اپنی زندگی اور فتح پا لیتے ہیں

اور پھر وہ

سب ناموں میں زندگی بسر کرتے ہیں

اور یہ ایسا ہے

کہ زندگی کے لئے جان تج دینا

زیست کو موت سے زیادہ یقینی بنا دیتا ہے

تمہارا نام بھی

ماؤں کے رحم سے زمین کی کوکھ تک

اور جانبازوں کے بازوؤں سے

مزدوروں کے ہاتھوں تک

زندگی کے دوامی تسلسل کی علامت رہے گا

اگر مردم آزار گجر و شکاری کتے کہتے ہیں

کہ وہ ہمیں تڑپا تڑپا کر مار دیں گے

اُنہیں کہنے دو

اُن کے واہمے خود ان کی کھوپڑیوں میں

شگاف ڈال دیں گے

اُنہیں ان واہموں میں رہنے دو

وہ ہمارے سروں کے کاسے چُور کر دیں گے

بجا

وہ ہماری ہڈیوں کو سُرمہ بنا دیں گے

درست

مکتبوں اور عبادت گاہوں کے ذریعے

وہ ہمارے نوخیز ذہنوں کو

گمراہ بنا دیں گے

تسلیم

لیکن

ہمیں یقین ہے

کہ ہمیشہ کے لئے روتے رہنا

ہمارا مقدر نہیں

ان بے لگام درندوں کی سفاکیت
ہمیں مطیع نہیں کر پاتے گی
ہم نو دمیدہ شاخیں نہیں
پھر بھی تمہاری امن پرستی اور انسان دوستی
ہمیں توانا بنائے گی
ڈیوڈ! میری مٹی کے سپوت
اس دھرتی پر ایسے وجود ہوتے ہیں
جو اپنے بعد بھی
ان گنت لوگوں میں موجود رہتے ہیں
تم ہمیشہ ہم میں زندہ رہو گے
سب نام تمہارے نام ہیں
ہمارا ایمان ہے
کہ زندگی کے لئے مرنا

زندگی کو موت سے زیادہ یقینی اور معتبر بنا دیتا ہے

اے شاعر!

اسے تنہا رہنے دے

تم نے اُس کی چاہت کا گیت گا لیا

اگر تم پہاڑوں جیسا بوجھ ڈھوتے مزدوروں

کی مدح کرو گے

تو یہ اُسی کی تعریف ہو گی

اگر تم انسان کی تکریم کی بات کرو گے

تو یہ اُسی کا قصیدہ ہو گا

اگر تم آزادی کا ترانہ گاؤ

تو یہ اُسی کا رجز ہو گا

اگر تم امن کا نغمہ سناؤ

تو یہ اُسی کا گیت ہو گا

شاعر

تم نے اُس کا نام جانے بغیر

اس کا قصیدہ پڑھا

سنو میں تمہیں اس کا نام بتاؤں

اس کا نام ایک نعرہ ہے

"افریقہ واپس آؤ"

آؤ نظمیں لکھیں

آؤ نظمیں لکھیں
خون کی مانند سرخ تر و تازہ
گھنٹیوں کی طرح کھنکتی ہوئیں
نظمیں
جو لوگوں کو جگائیں
جن کا موضوع
زندگی ہو موت نہیں
اُمید ہو مایوسی نہیں

صبح ہو شام نہیں

تازگی ہو پژمردگی نہیں

جدوجہد ہو ہزیمت نہیں

شاعر!

لوگوں کو یقین دلاؤ

کہ خواب بھی حقیقت بن سکتے ہیں

آزادی کی بات کرو

اور دھنوان کو

اس کے معطر خلوت خانے کی دیواروں پر

فن پارے سجانے دو

آزادی کی بات کرو

اور لوگوں کی آنکھوں کو چھو کر

انہیں احساس دلاؤ

کہ اُن میں بے شمار ہونے کی قوت موجود ہے

وہ قوت

جو قید خانوں کی سلاخوں کو
گھاس کی بالیوں کی طرح مروڑ دیتی ہے
جو سنگِ خارا کی دیواروں کو
کانچ کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی ہے
شاعر
ان لوگوں کو ڈھونڈو
جو قفلوں کے دہانے کھول دیتے ہیں
اس سے پہلے
کہ آنے والے دس برسوں کو
گزرے ہوئے دس برس کھا جائیں

کیا میں غلط تھا

کیا میں غلط تھا

جب میں نے سوچا تھا

ہم سب کا انتقام لیں گے

کیا میں غلط تھا

جب میں نے سوچا تھا

اس لوہے کی رسی سے

جس نے نوخیز بیلوں کی گردنوں کو جکڑ رکھا تھا

انتقام لیا جائے گا

کیا میں غلط تھا

جب میں نے سوچا تھا

بارود سے ہلاک ہونے والے یتیم

سمندر سے اٹھیں گے

کیا میں خطاوار تھا

جب میں نے سوچا تھا

کہ اب محبت کی ضرورت نہیں

کہ اب [illegible] کرنے کی ضرورت نہیں

اب زمین پر نیکی کی ضرورت نہیں

اب قبرستان نما شہروں سے

چاند کی طرف

ہاتھیوں کے پیغام بھیجنے کی ضرورت نہیں

کیا میں غلط تھا

جب فرطِ انبساط سے میں پاگلوں کی سی ہنسی ہنس رہا تھا

جب سمندر سے زندہ یونے کی طرح دھواں اُٹھ رہا تھا

جب ہوا راکھ پر راکھ لاد رہی تھی
کیا میں غلط تھا

جب میں خون کے مینار بنا رہا تھا
کیا میں غلط تھا

جب میں سیزر کی لوٹ مار کا انتقام لے رہا تھا
کیا میں غلط تھا

جب زمین کو تانبے کی طرح تپا کر
ستاروں کی بلندیوں پر رقص کرتے ہوئے
یورپ کو اپنی تہذیب کے شعلوں سے
بھسم ہوتے دیکھ رہا تھا
امریکہ کے خود ساختہ فولادی دیوؤں کے بازوؤں کو
روئی کے گالوں کی طرح اڑتا دیکھ رہا تھا
انسانوں کو ایذا پہچانے والوں کو
خاک ہوتے دیکھ رہا تھا

کیا میں غلط تھا

کیا میں غلط تھا

Was I Wrong?

غدّار

تم کو تو ہمارے مستقبل کا خواب بننا تھا
تاکہ تم وہ سب کچھ فراہم کر سکو
جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے
تم کو تو ہمارے زخموں پر مرہم رکھنا تھا
تاکہ تم شکستہ استخوانوں کو جوڑ سکو
لیکن
تم نے غداری کی
تم نے ہمارے دشمن کو اپنا چاہنے والا منتخب کیا

تم اس کے ہمراہ
ہمارے سامنے سے ایک گناہ کی طرح گزرتے رہے
تم اپنے آبا کے قاتلوں سے بغل گیر ہوئے
تم اپنے قبیلے کے لوگوں کو تختۂ دار تک لے گئے
تم نے اپنے باپ دادا کی روحوں کا مذاق اڑایا
تم نے ہمارے بھید کمینے اجنبیوں پر ظاہر کئے
تم نے ہمارے بزرگوں کے سروں کی تضحیک کی اور
ان کے سفید بالوں کا سودا ان کے بچوں کے
سامنے کیا
وہ ہونٹ جو قدیم صداقتوں کے امین تھے
اُن پر مہریں لگادیں
اور پھر ان کی دھنسی ہوئی آنکھوں نے تمہیں بددعا دی
"تم سمندر کا لقمہ بنو"

Mazisi Kunve

Nosizv

پولیس مقابلہ

سرکاری ہینڈ آؤٹ

وہ نویں منزل سے کود کر مر گیا
اس نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی
وہ فرش دھوتے ہوئے صابن کی ٹکیہ سے پھسل گیا تھا
وہ نویں منزل سے گر گیا تھا
اُس نے خود کو لٹکا دیا تھا
وہ صابن کی ٹکیہ دھوتے ہوئے فرش سے پھسل گیا تھا
وہ نویں منزل سے کود گیا تھا
فرش دھوتے وقت اُس نے خود کو چھت سے ٹکا دیا تھا

وہ نویں منزل سے پھسل گیا تھا

اس نے نویں منزل سے خود کو لٹکا دیا تھا

وہ نویں منزل سے فرش دھوتے ہوئے پھسل گیا تھا

وہ پھسلتے ہوئے صابن کی ٹکیہ سے گر گیا تھا

اس نے نویں منزل سے خود کو لٹکا دیا تھا

اس نے نویں منزل سے فرش دھویا جب وہ پھسل رہا تھا

وہ نویں منزل پر دھلائی کرتے وقت

صابن کی ٹکیہ سے لٹک گیا

اور وہ گا رہے ہیں

جہاں سفید فام
چھٹی کے روز
آسودگی سے قدح خواری کرتے ہیں
اور باقی روز
سونا سمیٹتے ہیں
وہاں
حیرت کی بات ہے
کالے آدمی

جانوروں کی سی
کمر توڑ دینے والی مشقت کے باوجود
گیت گا رہے ہیں

Surprisingly singing

پابجولاں

ریل گاڑی ایک شہر کے سٹیشن پر رُکی
میں نے کھڑکی کے کہر آلود شیشے سے باہر جھانکا
چھ آدمی مادرزاد ننگے
جن سے انسانیت کی ہر توقیر نوچ لی گئی تھی
تازہ مُنڈھی ہوئی بھیڑوں کی مانند
آگے پیچھے کھڑے تھے
بدن کو آبلہ بنا دینے والی ہوائیں
یوں منمنا رہے تھے

جیسے کہہ رہے ہوں
اے برفانی ہوا، ہم سے دور رہ
کیا تو نہیں دیکھ سکتی
کہ ہم برہنہ ہیں
ننگے پاؤں
ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ
ٹخنوں کے گرد بیڑیوں کے فولادی کڑے
وہ لنگڑاتے ہوئے
ریل کے ڈبے میں یوں داخل ہو رہے تھے
جیسے جانور
مذبح خانے کے خاص دروازے کی دہلیز پر
کسی نامعلوم خوف سے ٹھٹھک جاتے ہیں
ایک آدمی
جس کا سر آلو کی طرح منڈھا ہوا تھا
نیم وا چشم خوں بستہ کی مصداق

دونیم سورج کی طرف دیکھ کر

دھیمی آواز میں بولا

اچھے سورج

کیا تو میرا دل اُمید کی شعاع سے نہیں گرمائے گا

اور ریل گاڑی

ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئی

انتقام

تمہیں کیسا لگے گا

اگر میں رات کے اندھیرے میں آؤں

اور تمہارے پہلو میں نیزہ اتار دوں

اپنے ان شہیدوں کا انتقام لینے کے لیے

جن کو تم نہیں جانتے تھے

جن کے زخم مخفی ہیں

جن کی کوئی یادگار نہیں

وہ جن کو تم صرف جشن کے اوقات میں

یاد کرتے ہو

ہم ان کو نہیں بھولے
دن بدن
ہمارے انتقام کی آگ تیز
اور اس کے شعلے
تمہارے شہروں
تمہارے بچوں کے گرد
اپنا حلقہ تنگ کرتے جاتے ہیں
جو راکھ کے مینار بن کر
ہمارے انتقام کی گواہی دیں گے

Mazisi Kunivi
Vengeance

عروسی

سوئی نادھی

ایک ٹیلے پر اکیلا کھڑا

اپنے گھر کے آنگن پر نظریں جمائے ہے

سوئی نادھی

ٹیلے پر اکیلا

ڈھلوان میں واقع اپنے گھر کو دیکھ رہا ہے

جہاں آج اس کی بیٹی کی شادی ہے

مہمان گھر کے صحن میں

دولہا اور دلہن کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں
سولی نادھی سے کچھ فاصلے پر
خفیہ پولیس کے لوگ
سفید کپڑوں میں
نگرانی کے لئے موجود ہیں
تاکہ سولی نادھی
جس پر سماجی اجتماعات میں شرکت پر بھی
پابندی ہے
اپنی اکلوتی بیٹی کی عروسی کے دن
کہیں قانون شکنی کا مرتکب نہ ہو
نیچے ڈھلوان
سولی نادھی کے گھر
مہمان
دولہا دلہن کے ساتھ کھانا کھا کر
ایک ایک کر کے

ٹیلے کی طرف آ گئے ہیں
تا کہ سولی نادھی سے
ہاتھ ملا کر رخصت ہوں
سولی نادھی
اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کے روز
ٹیلے پر کھڑا
اپنے گھر کو دیکھ رہا ہے
اکیلا بہت ہی اکیلا

Hugh Lewin
Wedding

ایک اور دن

آج کا دن بھی

بس روز ہی کی طرح کا ایک دن تھا

کوٹھڑی کا قفل کھلتا ہے

ناشتہ

دُھلائی

خاکروبی

صفائی

شاخوں کی تراش خراش

تالہ بندی

کوٹھڑی

غُسل

چار بجے رات کا کھانا

تالہ بندی ۔ کوٹھڑی ۔ تنہائی

اگلی صُبح تک

چودہ گھنٹے مُقفل کوٹھڑی میں

ہر رات

صُبح

ہم نے گیارہ جوار کی چھلیوں کا راتب لیا

دس اپنے لئے

ایک   کے لئے

اپنے ہاتھوں اگائی ہوئی چھلیوں کے لئے

ہم قدرے جذباتی ہو رہے تھے

آج شام کے راتب میں

چھلیاں کھائیں گے

سہ پہر تک

ہم نے ۱۲ جھاڑیاں تراشیں

ہم خوش تھے کہ ہمارے بوئے ہوئے بیج

کس طرح بار آور ہو رہے ہیں

آج کا دن بھی

معمول کی طرح کا ایک دن تھا

شاخ تراشی

دوپہر کا کھانا

مقفل کوٹھڑی

دھلائی۔ خاکروبی۔ صفائی

غسل

چار بجے رات کا کھانا

مگر چار بجے سے پہلے

اُسے بلا لیا گیا

اچانک۔ غیر متوقع
کوئی ملاقاتی آیا ہے
میں نے سوچا
یہ اچھی بات بھی ہو سکتی ہے
یہ بُری بات بھی ہو سکتی ہے
وہ ملاقات کے لئے
کھانا کھائے بغیر روانہ ہو گیا
ہم نے اس کا کھانا
اس کی کوٹھڑی میں رکھ دیا
تاکہ ملاقات کے بعد کھا سکے
کوئی خوشخبری
یا کوئی منحوس اطلاع
آج کا دن بھی
عام دنوں کی طرح ایک دن تھا
رات کا کھانا

کوٹھڑی میں تالہ لگ گیا

اکیلا پن

کوٹھڑی

آئندہ چودہ گھنٹوں تک کے لئے

جب ہم کھانا کھا رہے تھے

وہ ملاقات کے کمرے میں تھا

لکڑی کا ایک صندوق نما کمرہ

جس میں صرف چار انچ کا چوکھٹا

مُلاقاتی کا منہ

قیدی کا کان

ساتھ ہی ایک ساؤنڈ بکس

تاکہ قیدی اور ملاقاتی کی گفتگو

صاف طور پر ریکارڈ کی جا سکے

دو پہرہ دار قیدی کی طرف

دو پہرہ دار مُلاقاتی کے قریب

اسے وہ ملاقات کا کمرہ کہتے ہیں
اس کے بھائی نے چوکھٹے میں اپنی تھوتھنی ڈال کر
اُسے بتایا
تمہارا بیٹا آج صبح مر گیا ہے
چوکھٹے سے پھر آواز آئی
تمہارا بیٹا آج صبح مر گیا ہے
جب وہ ملاقات کے بعد اپنی کوٹھڑی میں پہنچا
میرے خیال میں اس کا کھانا برف ہو چکا تھا
کوٹھڑی مقفل کر دی گئی
تنہائی
آئندہ چودہ گھنٹوں کے لئے
آج کا دن بھی
کسی عام دن کی طرح تھا

Kugh Lewin

Another day

لمس

[illegible]

تو میں کسی سے کہوں گا

مجھے چھوؤ

بہت آہستگی بہت ملائمت سے

مجھے چھوؤ

کیونکہ میں ایک بار پھر جاننا چاہتا ہوں

کہ زندگی کیسے محسوس ہوتی ہے

مجھے سات برسوں سے

کسی نے نہیں چھُوا

میں سات برسوں سے

لمس کے احساس سے محروم ہوں

میں زندگی سے کٹ چکا ہوں

ان سات برسوں نے مجھے سکھا دیا ہے

نہ چھُوا جانا کیا ہوتا ہے

چھُوا جانا کیسا ہوتا ہے

نہیں ابھی بھی نہیں

جن چیزوں نے مجھے چھُوا

مجھے یاد ہیں

میں انگلیوں پر گن سکتا ہوں

وہ ٹکے

جو ابتداء میں مجھ پر برسے تھے

تیز۔ تُند۔ مسلسل

پٹائی خوب پٹائی

آخر میں چیخ اٹھا تھا

نہیں، خدا کے لئے مجھے مت چھوؤ

ہاتھ

پہلے چار برسوں تک

ہر روز تلاشی لینے والے پہرہ داروں کے ہاتھ

متجسّس۔ تھپتھپاتے ہوئے ہاتھ

بازو اٹھاؤ

بوٹ اتارو

دونوں ٹانگیں کھول دو

بہت مہارت سے

بوجھل۔ بے حس۔ لاتعلق

جسم کے تمام پوشیدہ حصّے ٹٹولتے ہوئے ہاتھ

میں کسی اور جاسوس ہاتھ نہیں چاہتا

میں دوبارہ چھُوا جانا چاہتا ہوں

کچھ اس طرح

کہ مجھے محسوس ہو
میں زندہ ہوں
میرا مطلب ہے جب میں یہاں سے نِکلوں
تو کہوں۔ یہ میں ہوں۔
مجھے چھُو کر دیکھو

Kugh Lewin
Touch

پھانسی

(جنوبی افریقہ کے ایک جیلر نے کہا ہمارے ہاں مجرموں کو

موت کی سزا دینے کے لئے نہایت مہذب اور انسانی طریقہ ہے)

میں ایک مرتبہ

ایک شخص سے مِلا

جس کی موت

نہایت "مہذب طریقے" سے واقع ہونے والی تھی

اُسے آخری مُلاقات کے

مُلاقات کے کمرے میں لے جایا جا رہا تھا

وہ سر اُٹھائے اُوپر کی طرف دیکھ رہا تھا

جہاں ایک دھوپ کا ٹکڑا اچھل رہا تھا۔

جب ہم ایک دوسرے سے ٹکرائے

تو اس نے سر نیچا کر کے

میری طرف دیکھا

مسکراتے ہوئے اس نے نہایت ملائمت سے کہا

"معاف کیجیے"

اور مجھے عجیب ناآسودگی میں چھوڑ گیا

وہ موت کی سزا پانے والوں کے خاکی رنگ

کے مخصوص کپڑوں میں تھا

بغیر بٹنوں

بغیر تسموں

بغیر پیٹی کے

فقط حفظِ ماتقدم کے طور پر

تاکہ وہ "مہذب طریقے" سے مرنے کی بجائے

خود کو لٹکا نہ دے

تمام ممکنہ احتیاطیں
تاکہ وہ خودکشی نہ کرے
دوسری صبح وہ اسے لینے آئے
یہ ایک ہلکی گرمی کا دن تھا
سورج نکل چکا تھا
اور تمازت بڑھ رہی تھی
وہ پانچ بجے صبح پہنچے
ایک منصف
دو فوجی لیفٹیننٹ
تین محافظ
اور پانچ علاقائی نائب محافظ
(جن کے پاس چابیوں کے گچھے تھے)
تمام پرسکون اور چوکنے
ان کے ساتھ ہی
ایک کمانڈر

ایک ڈاکٹر

اور ایک پادری بھی تھا

(پادری کو صرف دہرے دروازے تک آنے کی اجازت تھی

جہاں وہ بے بسی سے صرف دعائیں پڑھ رہا تھا جب کہ

باقی کے سب مجرم کی رہنمائی کرتے ہوئے دہرے دروازے

سے آگے بڑھ گئے۔)

دھوپ کا ٹکڑا بلند کھڑکیوں کے راستے سے کمرے

میں اتر رہا تھا

وہ سب کے سب خوش خلق تھے

سب کے سب کچھ بڑبڑا رہے تھے

اس نے اپنا سر پیچھے کی طرف جھکایا

اس کے ہونٹ خشک تھے

جس وقت اس کے سر اور چہرے پر نقاب

ڈالا جا رہا تھا

اس نے سیکشن وارڈر کا ہاتھ سہلایا

ہر کوئی چپ چاپ

بُت بنا دیکھ رہا تھا

بالکل اس طرح جیسے

اس ساری کارروائی میں

اُن کا کوئی حصہ نہ ہو

سب اس طرح پُرسکون تھے

جیسے کوئی عام جگہ تھی

سب جانے پہچانے چہرے اور وردیاں تھیں

جیسے (کسی عبادت گاہ میں) بلند آواز میں بولنے کے خواہشمند ہوں

اس کے دونوں پاؤں کو تختے کی لکیروں کے مخصوص

ٹکڑے پر جوڑ دیا گیا

اس نے اپنے نقاب پوش سر کو

کسی متوقع آواز کو سننے کیلئے ایک طرف کو جنبش دی

جب اچانک تختہ کھسکا

جھٹکا

گلے میں پھندے کی گرفت سخت ہو گئی

اور سخت ہو گئی

اور وہ لٹک گیا

بیس منٹ تک اس کے جسم کو لٹکنے کیلئے چھوڑ دیا گیا

تاآنکہ

ڈاکٹر نے

آخری

قطعی

اور سرکاری اعلان کیا

ختم

اب لاش کو اتار دو

Hugh Lewin

Hang

مجھے یاد کرنا

مجھے یاد کرنا

جب لاجوردی آسمان
دکھ سے آہیں بھرے
اور مٹیالے پیلے ہونٹوں کی جنبش
میری موجودگی کا احساس دلائے

مجھے یاد کرنا

جب میرے وطن کے میدانوں کا سبزہ
میرے گہرے زخموں پر

اپنی چادر ڈال کر

میرے اندر

جی اُٹھنے کی خواہش کا شعلہ

بیدار کرے

جہاں سنسناتی ہوئی

گولیاں

ہمیں آزادی کی صبح سے

قریب تر کر دے

مجھے یاد کرنا

آس

رات کے سُرخ انگارے
غلامی کی مار کھاتے ہوئے
ہمارے یخ بستہ دلوں کو
خطرے کا اشارہ دے رہے ہیں
رات کی سیاہی میں
انگار آنکھیں چمک رہی ہیں
ہماری زندگیاں
کتنی ہی اذیتوں کے سایوں میں لپٹی ہوئی ہیں

مگر ہماری فطری انسانی امید

مزاحمت

اور نبرد آزمائی کے لئے

ہمیں آگے اور آگے

ہنکائے لئے جا رہی ہے

Victor Motapanyane
Hope

میں انتظار کروں گا

میں نے بارہا
بھوک کا ذائقہ چکھا ہے
بالکل اسی طرح
جیسے منہ میں ریت بھر جائے
اور شعلوں جیسے آنسو رویا ہوں
جنہوں نے میری پلکوں کو چاٹ لیا ہے
اور وہ سب کچھ دھندلا دیا ہے
جسے میں دیکھنا چاہتا ہوں
لیکن آہ ہمیشہ

آج اور کل

ہر لمحہ ہر جگہ
جہاں بھی میں رہا ہوں
مسرت
بالکل ایک خوشگوار منظر کی طرح
میرے وجود کے سامنے کے راستوں میں
پھیلی ہوئی ہے
میرے رگ وپے میں
چاندی جیسے چمکیلے دریاؤں کی طرح رواں دواں ہے
اور اب مجھ پر کھلا
کہ میں اتنا لبریز ہو کر بھی
کتنا پیاسا ہوں
میں انتظار کروں گا
میں انتظار کروں گا

کتبہ

(احمد ناموں اور دو سو سے شہید ساتھیوں کیلئے)

اُن کی فتح یہی تھی
جب اُس کا گرنا
کانٹے میں لگی ہوئی مچھلی کی طرح تھا
چار روز بعد
اس کے باپ سے کہا گیا
جاؤ مسجد میں دعا کرو
تمہارے بیٹے نے جان دے دی ہے
وہ کھڑکی سے کود گیا تھا

ہم نے اُسے ایک ہل پر لٹا دیا ہے

۱۹۶۴ء میں سوجی بھی اسی جگہ سے کودا تھا

احمد کو انہوں نے بتایا

۱۹۶۴ء میں سوجی بھی تمہاری طرح کچھ بتانے سے انکاری تھا اور

پھر سات منزلہ عمارت کی کھڑکی سے کود کر مر گیا تھا۔

مصنوعی ہنسی ہنستے

اور ایک دوسرے کو مکارانہ شرارت سے آنکھیں مارتے ہوئے

وہ اُسے تین منزلیں اور اوپر لے گئے

کیا تمہیں یہاں سے شہر کا نظارا اچھا لگتا ہے

تم گفتگو کرنا پسند کرو گے

پھر تم تو ہمارے لئے بہت قیمتی ہو، انعامی شکار

تم گفتگو کرو گے

یا اس بلندی سے کود جانے کو فوقیت دو گے

آنکس سے اس کے سر کو چھیدنے کے باوجود بھی

جب اس کی مزاحمتی خاموشی برقرار رہی

تو اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا

اور گینڈے کے سے طیش میں آ کر

انہوں نے اُسے

سر کے بل ۔ دسویں منزل سے نیچے پھینک دیا

تاکہ اس کے سر کے زخموں پر پردہ ڈالا جا سکے

جو آنکڑے دار سلاخ سے آئے تھے

وہ اس "چھلانگ" کا تذکرہ

اولمپک کے کسی کھیل کی طرح خوش مزاجی سے

کر رہے تھے

ہم کبھی بھی طاقت کا استعمال نہیں کرتے

کچھ لوگ خود کو لٹکا دیتے ہیں

کچھ صابن پر سے پھسل جاتے ہیں

لیکن اس نے کود کر مرنا پسند کیا

(پولیس کے نمائندے نے پریس کے سامنے جیل میں تردین

موت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا)

ہم کسی کو دھمکاتے نہیں
ہم کسی پر تشدد نہیں کرتے
ہم فرض کر لیتے ہیں
کہ کوئی بھی ملزم تفتیش کے دوران
فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا
کوئی نہیں
کوئی نہیں
کوئی بھی نہیں
اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے
سب مرنے والوں کے لئے ایک ہی کتبہ کی تحریر لکھی۔
ہم جانتے ہیں
حریت پسندوں کو تشدد کی دھمکی دی جاتی ہے
تو وہ اپنے ساتھیوں کا نام بتانے کی بجائے
خودکشی کر لیتے ہیں
انہیں سکھایا جاتا ہے

کہ تفتیش کے آغاز ہی میں

کھڑکی سے کود جایا کرو

ہم کون ہیں

(ایک افریقی کی موت پر جو پولیس کی بلا جواز فائرنگ سے ہلاک ہوا تھا)

ہم کون ہیں
شہید یا غازی
جب ہم نے کوئی جنگ ہی نہیں لڑی
صرف ایک بیمار ریاست کی کشتہ مخلوق
گوناگوں ناسوروں کے انبار
جو نفرت کی بارشوں میں
نمو پاتے ہیں
ہم رزمگاہ میں نہیں اترتے
نہ ہی

کسی میدان میں نبرد آزما ہوئے

تاکہ تاریخ کی فرسودہ دستاویز سے

خود کو منسوب کر سکیں

ہم وہ قیدی تھے

جو اندھی راتوں میں مارے گئے

ہماری موتیں

"اتفاقیہ یا حادثۃً" واقع ہوئیں

اس کے باوجود

جب کل شہیدوں کے نام پکارے جائیں گے

جنہوں نے ہماری سرزمین کو آزاد کرانے میں

اپنی جانیں قربان کیں

تو بغیر کسی حیرت اور تامل کے

وہ گمنام اور نہتے ساتھی بھی

ان جانثار بلوانوں کی فہرست میں ہوں گے

جنہیں لوگ عقیدتوں کے خراج پیش کریں گے

اپنی زمین کے مستحق بیٹے

ہمارے بچوں کے پھولے ہوئے پیٹ
جن کا نمایاں اُبھار
نظر انداز نہیں کیا جا سکتا
نہایت بیچارگی سے
توجہ کی بھیک مانگتے ہیں
تابوت ساز
اور
قبر فروش

انہیں دیکھ کر
منافقانہ ہنسی ہنستے ہیں

ہر دن
ہمارا مرنا
ہمارا ماتم کرنا
ہماری زندگی بن چکا ہے
جب بھی منافع کے پھیلاؤ میں
ذرا سی کمی کا
اندیشہ ہو
فصل اٹھانے والے اجنبی
وحشیوں کی طرح
ہم پر کوڑے برساتے ہیں
ہمارے سمندروں کی ہوائیں
ہمیں اپنے غیر فطری ماحول کا
احساس دلانے کے لئے

ہمارے کانوں میں
شدت سے شوکتی ہیں
ہمارے ساحلوں کی ریت
ہماری خود کوری کو
ستانے کے لئے
ہماری آنکھوں میں
طنزیہ رقص کرتی ہے
مگر اپنی زمین کے مستحق بیٹے
ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے
اپنے وجود کو
نہیں دیکھ سکتے

Duncan Mattho
And worthy sons of the land

نفرت کی نمو

میری طرف دیکھو

ادھر

میری آنکھوں میں

میرے تیوروں کی گہرائیوں میں

کوئی بے یقینی کوئی خوف نہیں

بلکہ

وہ کالی خوبصورتی ہے

جو طوفان سے پہلے

گھٹاؤں سے بوجھل آسمانوں میں
نظر آتی ہے
اُن میں
تہہ بہ تہہ
نفرت کی سُرخ تمتماہٹ
دکھائی دے گی
میرے کالے اور مضبوط ہاتھوں کو دیکھو
جن میں
تمہارے نرخرے کو پھاڑ کر
تمہاری آنتیں تمہارے اندر کا سب کچھ
گندگی کے ڈھیر پر پھینکنے کے ارادے سے
کپکپاہٹ اور رعشہ آگیا ہے
اس کے لئے مجھے
بڑے بڑے ناخون پالنے کی ضرورت نہیں
کہ تم نے خود ہی

میرے اندر
لازوال نفرت کو
پروان چڑھایا ہے
میرے منہ کو دیکھو
اس کی لکیریں
میرے دل پر پڑی ہوئی خراشوں کا
عکس ہیں
یہ میری جاوداں مزاحمت
اور تمہیں شکست دینے کا
عہد نامہ ہیں
میرے ماتھے کی نالیوں جیسی گہری لکیروں سے
بل کھاتا ہوا پسینہ
زمین کو اس طرح داغ داغ کر دے گا
جیسے بے بسی میں
غصے کے کڑوے آنسوؤں سے

ہمارے دل زخم زخم ہیں

مجھے ابھی تک

سکول جاتے ہوئے

نوعمر سیہ فام بچوں کے خون کے فوارے یاد ہیں

جن کے قدموں کی آوازوں کو

گرد سے اٹی ہوئی گلیاں

اب کبھی نہ سن پائیں گے

میری آنکھوں کے گوشوں کی سوئیں

اپنی موجودہ حالت پر ٹھہری رہیں گی

اس شرمناک منظر کو اوجھل ہونے سے بچانے کے لئے

جب تمہاری گولیوں کی بوچھاڑ سے

خوفزدہ ہو کر

دس اور بارہ برس کے نوعمر بچے

کوڑے کے ڈبوں کے ڈھکنوں کے پیچھے

پناہ لیتے وقت

چھلنی ہو ہو کر گر رہے تھے
اس روز میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا
اور میری آنکھیں
جب سے کھلی ہیں
اور ان کی سوئیں
جب سے
اسی زاویے پر ٹھہر گئی ہیں
تاکہ تم انہیں
اس وقت تک نہ جھٹکا سکو
جب تک
میں ان شہید بچوں کا
انتقام نہ لے لوں

راستہ

اے مائی کے لال
اپنی منزل کا تعین خود کر
اس راستے سے گزر جا
مانا کہ تلوار کی دھار
شیروں پر سوار ہو
اور ان کے ایالوں پر
اپنی گرفت مضبوط رکھ
اپنے کندھوں کو اٹھا کر چل

آسمان تمہاری راہیں

روشن رکھیں گے

اور خاردار جھاڑیوں سے اٹھتی ہوئی

آوازوں کی گونج

تیری رہنمائی کرے گی

لوتھی کوئیٹین مینڈیلا اور سیول

اسی راستے پر چلتے

سرکنڈوں کو پیچھے دھکیلتا

کانٹوں کو روندتا چلا چل

تمہارے ابروؤں پر

فرض کا بوجھ

اور پیٹھ پر مقدس جوا

تمہارے ایذا رسیدہ

لوگوں کے دلوں کا مرہم

اور آزادی کا
بیج بنے گا

افریقہ نیشنل کانگریس کے

شہید اور مقید رہنما

Rebecca Mathlou
The Path

اے یادِ وطن

اے یادِ وطن
میں تجھے اگر تکلیف دہ سمجھتا ہوں
تو اس لئے نہیں
کہ تو میرے دل کو چیر کر
خواہشوں کے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیتی ہے
بلکہ اس خواہش کے سبب
کہ میں اپنے ہموطنوں کا نجات دہندہ بنوں
اِدھر

میری زمین پر
انسانوں کو کچلا جا رہا ہے
پھول سے بچوں کو مسلا جا رہا ہے
بڑی بوڑھیوں کو پیسا جا رہا ہے
تاکہ وہ کھاد بن سکیں
گلیاں خون کے تالاب ہیں
جہاں لوگوں کو چیر کر
دو نیم کر دیا جاتا ہے
وہاں
روحیں زنجیروں میں جکڑی
اور جسم پنجروں میں بند ہیں
صرف چمڑی اور ہڈی والی کلائیوں پر
ہتھکڑیوں کے زخم ہیں
ان کے بدن
کل پرزوں میں کس دیئے جاتے ہیں

تاکہ
ان کے وجود سے
بھوک کی اذیت
سوچ کا کرب
بے چھت کے گھروں پر
طوفان کی یورش کا اندیشہ
اور مارے جانے والے
عزیزوں کا ماتم
خون کے ساتھ نچوڑ دیا جائے
یہ نقشے ہیں
جو میرے دکھ کو افزوں کرتے ہیں
یہ منظر ہیں
جو میرے جسم میں شگاف ڈالتے ہیں
یہ تصور ہیں
جو کیڑوں کی طرح

میرے وجود کو تڑخا کر
ایذا پسندی کے بیج کو
خوراک مہیا کرتے ہیں
اے یادِ وطن
اے ماضی کے خیال
بس اسی لئے
تو تکلیف دہ ہے

Rebecca Mathlou

Nostalgia

منڈیلا

جنوبی افریقہ کا سیہ فام رہنما جسے سفید فام حکومت نے عمر قید کی سزا سنائی ہے

وہ ۲۲ برس جیل میں گزر چکا ہے مگر مشروط آزادی سے انکاری ہے

منڈیلا

تم اُن کے لئے

صرف ۴۶۶/۶۴ نمبر ہو

جو اس جزیرے کی زمین پر

قلبہ رانی اور روشیں صاف کرتا ہے

مگر تم ایک قوت ہو

ایک استقامت ہو

اور اپنے بیٹوں کی شریانوں میں

جاری وساری ہو
جو تمہاری زمین کے لئے
جنگ لڑ رہے ہیں
ہاں
اپنے ہاتھوں میں بیلچے کو مضبوطی سے تھامے
اپنی مٹی کے لئے
کھیتوں میں مشقت کرتے رہو
اپنے دوسرے کئی بھائی بہنوں
بیٹوں اور بیٹیوں کی طرح
جو افریقہ کی زمین کو
اپنی سخت کوشی کے پسینے سے سینچتے ہیں
یہ زمیں ہماری ہے
ہمیں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھنا
جب تک افریقہ ہمارے پاس واپس نہیں آتا

میری ہزاروں آوازیں ہیں

میری ہزاروں آوازیں ہیں
میں تمہیں وہاں سے پکاروں گا
جہاں سورج ڈوبتا ہے
میں تمہیں ان شاخوں سے آواز دوں گا
جو ہوا کا آنچل تھام کر ناچتی ہیں
تم نہ ختم ہونے والی متاع ہو
جو نسلوں کے ہونٹوں سے گاتی ہے
تم ایک سرسبز تمنا ہو

جس کی ہری بھری شاخیں
جھیل میں اتری ہوئی ہیں
جنہیں درخت کاٹنے والا
بے سود ذبح کر جاتا ہے
کہ بہار کے ساتھ ہی
ان میں زندگی کا تازہ خون
موج مارنے لگتا ہے
نئی کونپلیں پھر پھوٹ نکلتی ہیں
اور شاخیں جب پھلوں سے لد جاتی ہیں
تو قاتل
اپنے کلہاڑے اور تبر لے کر پھر آتا ہے
یہ سوچ کر
کہ یہ ہمیشہ کے لئے بانجھ ہو جائیں
وہ تمام پھلوں کو ہڑپ کر جاتا ہے
اس خوش فہمی میں

کہ اب ان پر بُور نہیں آئے گا
لیکن نئے موسموں میں
نئی کونپلیں پھر پھوٹ نکلتی ہیں

Mazisi Kuvene
Abandance

پسِ مرگ

وہ لاشوں پر نمبر لکھ دیتے ہیں
نعش خانے کے نمبر
ماتھوں کی قطاریں
چہروں کا جنگل
خاردار آنکھوں کے نیچے
کبھی ان کے ماتھوں کے پیچھے
دماغ دھڑکا کرتے تھے
جن کی دھڑکن

ایک للکار تھی
طاقت عوام کی ہے
مبارزت کا نعرہ
ابھی بھی گونج رہا ہے
بچوں کے جلے ہوئے سکول کے خاکستر سے
اُٹھتا ہوا نعرہ
معصوم ہونٹوں سے پھوٹ کر
بزرگوں کے دہنوں سے
اُٹھتا ہوا نعرہ
کانوں
کارخانوں
اور کھیتوں کے حلقوم سے اُٹھتا ہوا نعرہ
خوشنما پرندے کے گلے سے اُٹھتا ہوا نعرہ
اِس گھٹالی سے
اُس بھٹی سے

چنگاری کی طرح

اڑتا ناچتا چکراتا ہوا

تُندی سے

لوہے کی سلاخ کی مانند

سرخ گرم ہوا میں جذب ہو جاتا ہے

یہ سویٹو کے انگارہیں

جو گوگولیٹو کے دل کو آتش فشاں کر رہے ہیں

جو بوں ٹیو ہول کے پھولوں کی طرح آتشیں ہیں

سُنو

دہکتے ہوئے انگاروں کو چھوتی ہوئی

مجاہد بچے کی آواز

گرتے ہوئے بچے کی آواز

سُنو

اے ماں

اے بابا

اے بچو

اے لوگو

آزادی کی توپ داغی جا رہی ہے

"مرتے ہوتے بچے کے ہونٹوں پر

نعرہ سوکھ جاتا ہے"

A.N.C. Kummalo

Embers of Sweto

ہم ملیں گے

(ڈیوبا - ٹیرو اور ہر شہید ساتھی کے نام)

ہم ملیں گے
ڈیوب اور ٹیرو
اور اے ہر شہید ساتھی!
پہاڑی کی چوٹی پر
ہم ملیں گے
ڈیوب اور ٹیرو
لڑنے والے سپوتوں کے سینوں میں

بم باتھا کا دل دھڑک رہا ہے
ڈیوب ساور ٹیرد
بتھولی کے سچے بیٹوں کے سینوں میں
بم باتھا کا دل دھڑک رہا ہے
کوئی کوڑا
کوئی بیڑی
کسی بم کی دہشت
کوئی گولی
کوئی خوں آلود صلیب
کوئی گرجتی ہوئی توپ
بم باتھا کے دل کو
جو ڈیوب اور ٹیرد
اور ہر کالے بچے کے سینے میں دھڑک رہا ہے
مطیع نہیں کر سکتی
ہم کبھی نہیں جھکیں گے

ہم کبھی تذبذب کا شکار نہیں ہونگے

ہم کبھی چین سے نہیں بیٹھیں گے

مکافات سے پہلے

انتقام سے پہلے

مردو بڑھو

عورتو بڑھو

اپنے ان ساتھیوں کی لاٹھیاں

مضبوطی سے تھام لو

جو رزمگاہ میں مارے گئے

جو شہید ہو گئے

ہم ڈیوب اور ٹیرو

اور

ہر شہید ساتھی سے

پہاڑ کی چوٹی پر ملیں گے

پہاڑ کی چوٹی پر ملیں گے
جب قوم آزاد ہو گی

۱- بم باتھا۔ جنوبی افریقہ کا سیاہ فام دھقنا جسے بغاوت کے الزام میں قتل کر دیا گیا تھا۔

۲- جان ڈوب۔ نیشنل کانگرس آف افریقہ لوما کا شہید دھقنا

۳- ابراہیم ٹیڈو۔ نوجوان طالب علم دھقنا جو مارچ ۱۹۲۴ء فرار ہو گیا تھا لیکن سفید فام پولیس نے اسے ایک پارسل بم کے ذریعے ہلاک کر دیا تھا۔

The spirit of Bambatha

جنگ کے بعد کا پہلا دن

ہم نے ایک نغمہ سُنا

جیسے کہیں سے شادی کا جلوس آ رہا ہو

شہنائیاں بج رہی ہوں

ہم نے ایک ملائم روشنی دیکھی

جو شبنمی گھاس کی روشوں سے لپٹ رہی تھی

شروع میں کچھ تامل تھا

پھر ہم نے دوشیزہ کے قدموں کے نشان دیکھے

پھر آہستہ آہستہ

دھندلکوں سے اُبھرتا ہوا

اس کا خُوبصورت چہرہ

اور پھر آزادی کی چمک لیتے ہوئے

اس کی تابندہ آنکھیں

وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ جاگی

اور بولی

آج کونسا دن ہے جو اچانک آگیا ہے

ہم نے اسے بتایا

یہ آج جنگ کے بعد کا پہلا دن ہے

پھر کسی بات کا انتظار کیے بغیر

ہم کھلے میدانوں کی طرف بھاگے

نعرے لگاتے ہوئے

ہجوم در ہجوم

پہاڑوں اور پگڈنڈیوں پر پھیل گئے

اور دنیا بھر کے لوگوں کو پکارنے لگے

ہم نے ایک بوڑھے بابا کو جھنجھوڑ کر

جشن منانے کا مطالبہ کیا

ہم نے نئے موسم کے ،

تمام دلیں پھل مانگے

ہم نے آبشاروں کے پار

آوازیں دیں

اور پھر دنیا کے ہر ٹکڑے سے

لوگ آ گئے

یہ امن اور محبت کا پہلا دن تھا

ہم نے دیکھا

کہ ہمارے آبا کے سائے

اپنے سروں کو اور اونچا کئے

چل رہے ہیں

لوگ کہتے ہیں

لوگ کہتے ہیں
ابھی ابھی سب نے دیکھا
یہاں آٹھ برس کی
ایک گڑیا جیسی بچی تھی
اس کے بال
نوکدار چوٹیوں میں گندھے تھے
اس نے معصومیت سے
(پولیس کو)

احتجاجاً مکہ دکھایا

اس کے بعد
دیکھنے والوں نے دیکھا
سُرخی ہی سُرخی پھیل گئی
کچھ گوشت کے لوتھڑے
کچھ پھڑپھڑاتے ہوئے
رنگدار چیتھڑے
زمین پر بکھرے پڑے تھے
ابھی ابھی
یہاں پھولدار سرخ کپڑوں میں
ایک گڑیا جیسی بچی تھی
ابھی ابھی۔۔۔۔
لوگ کہتے ہیں

Dennis Brutus
There was a girl

آزادی کے وارث

تمہی نے تو

کڑے موسموں میں

ہمارے دلوں کو

زندگی کا ذائقہ دیا تھا

سو تمہیں

یہ ہتھیار ہمارے بچوں کے بچوں کے لئے لے جاؤ

یہ ہمارے ہیں

ان ہتھیاروں نے

کئی مرتبہ
دشمن کا گھیرا توڑا تھا
پھر کیوں نہ ہمارے بچے
ہماری آوازوں کے ساتھ جنیں
ہمارے ڈراؤنے خوابوں کے بھرپور پن
کے ساتھ جنیں

انہیں چاہیئے
کہ وہ ہمیں پہاڑوں پر دفن کریں
تاکہ ہمارا مارے پھرنا
ان کی یاد سے نہ اترے

غروب آفتاب
ہماری جوانی چرائے لئے جا رہا ہے
اب ہمیں رخصت ہو جانا چاہیئے
ہمیں قاتل پرندے کے پیچھے پیچھے جانا چاہیئے

نیند

دہشت ناک نیند سو جائیں
اور ہمارے بچوں کے بچے
ہم سے آنے والے جشن کا خواب
ترکے میں لیں

ہم جو اپنے سروں پر
باز کو منڈلاتے ہوتے دیکھ رہے ہیں
ہم جو موت کی تیز بساند
سونگھ چکے ہیں

ہم جنہوں نے
اپنے ساتھیوں کے جسموں سے
گدھوں کو گوشت نوچتے دیکھا ہے
ہم تمہارے لئے
صبح کی شعاعیں

ورثے میں چھوڑتے ہیں

Mazisi Kunene
A Heritage of Liberation

نا تمام مسافت

نہیں
ہمیں اس راستے سے نہیں لوٹنا
کہیں ایسا نہ ہو
کہ پھر
ہم اپنے ہی سایوں کے روبرو ہو جائیں
کہیں ایسا نہ ہو
کہ ہمارے کانوں کے پردے
اپنی ہی اداسی کی گونج سے پھٹ جائیں

نہیں

ہمیں ہتھیار نہیں ڈالنے

چاہے یہ سلسلہ

کیسا ہی لامتناہی کیوں نہ ہو

اور ہمارے پاؤں کو

شام کا راستہ

خستگی سے چور کر دے

ہمیں رات سے

بڑے خوابوں کی تخلیق

کا کام لینا ہوگا

تاکہ آنے والے دن کو

ہم نشانِ راہ بنا سکیں

ہمارے اطراف میں

مہکتے ہوئے پھولوں کی

مزید افزائش ہونی چاہیئے

درختوں میں لگے پھل
تازہ پتوں میں جذب ہو جائیں
وگرنہ بعد میں
سڑے ہوئے
رگ و ریشے کے سوا
کیا رہ جائے گا
ہمارے سفر کی ابتدا
یہاں سے ہو
جو آفاق کی حد تک پھیل جائے
جہاں ہمارا ملاپ
اپنے بچھڑے ہوئے ہمزادوں سے ہو گا
تاکہ ہم انہیں
ایفائے عہد کی نوید دے سکیں
تاکہ وہ سورج کی
آخری پہاڑی کو سر کر سکیں

لاریب

ایسے معجزوں سے

ہماری فتح یقینی ہے

Mazisi Kunene

Unfinished Adventure

A.N.C. Kumalo ۱۹۳۸ء میں ہنز برگ میں پیدا ہوا لیکن جنوبی افریقہ کی بجائے افریقہ میں مقیم ہے۔ اس کی نظمیں مختلف بین الاقوامی ماہناموں میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ نیشنل افریقن کانگریس سے تعلق رکھتا ہے۔

Hugh Lewin ۱۹۳۹ء میں مشرقی ٹرانسوال میں پیدا ہوا۔ دہشت پسندی کے الزام میں سات سال جیل میں گزارنے کے بعد لندن آگیا جہاں وہ تحریر و تصنیف میں مصروف ہے۔

Ilva Mackay ۱۹۵۷ء میں جنوبی افریقہ میں پیدا ہوئی۔ دو مرتبہ جیل کاٹنے کے بعد وہ ۱۹۷۷ء میں لندن آگئیں۔ افریقی نیشنل کانگریس کی رکن ہیں۔

David Evans ۱۹۳۵ء میں کوئینز ٹاؤن میں پیدا ہوا۔ زیر زمین سرگرمیوں کی بنا پر پانچ برس قید کاٹنے کے بعد ۱۹۷۰ء میں برطانیہ آگیا جہاں اس نے آکسفورڈ سے یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لیورپول میں بطور ایک ماہر تعلیم کام کر رہا ہے۔ اس کے ڈراموں مختصر افسانوں

اور شاعری کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ قید کے زمانے میں اس نے شاعری کا آغاز کیا تھا۔

Barry Feinberg

۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۰ء سے برطانیہ میں مقیم ہیں ان کی نظمیں مختلف جرائد اور شعری انتخابوں میں شائع اور شامل ہو چکی ہیں مختلف زبانوں میں ان کی نظمیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ افریقن نیشنل کانگریس کے رکن بھی ہیں۔

Mazisi Kuvene

پیدائش ۱۹۳۰ء شہر ڈربن سے تعلق رکھتے ہیں ۱۹۵۹ء سے جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں لاتعداد رسالوں میں ان کی نظمیں شائع اور افریقی شاعری کے بہت سے انتخابوں میں شامل ہو چکی ہیں۔

لاس اینجلس (امریکہ) کی کیلیفورنیا یونیورسٹی میں افریقی ادب کے پروفیسر ہیں۔

Keorapetse Kgositsile

پیدائش ۱۹۳۸ء (جوہنز برگ) ۱۹۶۱ء سے جلاوطن ہیں۔ آجکل دارالسلام میں قیام پذیر ہیں اور تنزانیہ یونیورسٹی میں ادب کے اُستاد ہیں۔ ان کے چار شعری مجموعے امریکہ سے شائع ہو چکے ہیں اور جدید

افریقی شاعری کا انتخاب مرتب کر رہے ہیں۔ افریقی نیشنل کانگریس کے رکن ہیں۔

Dennis Brutus پیدائش ۱۹۲۴ء زمبابوے میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں جنوبی افریقہ سے ہجرت کر کے لندن آ گئے۔ اٹھارہ ماہ تک قید بامشقت اور ایک برس تک خانہ بندی کے بعد برطانیہ آ گئے۔ ان کی پہلی کتاب ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی اس کے علاوہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں وہ جنوبی افریقہ کے غیر نسلی کھیلوں کی کمیٹی کے سربراہ تھے۔ آجکل یونیورسٹی میں انگریزی ادب کے استاد ہیں۔

[illegible] Moth[illegible] ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں گرفتار ہوئے۔ ان پر دہشت پسندی کے الزامات تھے ۱۹۷۶ء میں جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ اور افریقی نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی۔

ان کی نظمیں مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

Victor Motapanyane

پیدائش ۱۹۴۲ء ہنز برگ

۱۹۶۵ء میں جنوبی افریقہ سے فرار ہو کر ماسکو سٹیٹ یونیورسٹی سے ایم اے فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ اے این سی کے ممبر ہیں۔ بہت سے رسائل میں ان کی نظمیں شائع ہو چکی ہیں۔

Oswald Mtshali

پیدائش ۱۹۴۰ء جنوبی افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آجکل امریکہ میں قیام پذیر ہیں۔ ان کی پہلی کتاب ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی ان کی نظمیں بہت سے انتخابوں میں شامل ہیں۔

Christopher Vanwyk

پیدائش ۱۹۵۱ء جوہنز برگ۔

آجکل بطور صحافی کام کر رہے ہیں۔ پہلا مجموعہ کلام ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

